کاغذی کرنسی کے قرض لین دین کا مسئلہ، مولانا گوہر رحمان کی نظر میں

سلطان محمد *

محمد عبدالعلی اچکزئی **

تمہید:

مولانا گوہر رحمان ۱۹۳۶ء میں چھراسی ضلع مانسہرہ میں مولانا شریف اللہ کے گھر میں پیدا ہوئے۔ان کے والد علاقے کے معروف عالم دین تھے۔مولانا گوہر رحمان نے ۱۹۵۱ء میں درس نظامی کی تعلیم مکمل کی۔اس کے بعد انہوں نے ۱۵ سال تک پنجاب اور صوبہ خیبر پختونخوا کے مختلف مدارس میں درس نظامی کی تدریس کی۔انہوں نے ۱۹۶۳ء میں مردان میں تفہیم القرآن کے نام سے مدرسہ قائم کیا اور زندگی بھر اسی کی خدمت میں کمربستہ رہے۔وہ دو بار قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔انہوں نے قومی اسمبلی اور سینیٹ میں نفاذ شریعت کے لئے شریعت بل پیش کئے اور سود کے خاتمے کے لئے سپریم کورٹ اور وفاقی شرعی عدالت کی معاونت کے لئے عدالت میں پیش ہوکر سود کے خلاف تاریخی عدالتی بیانات ریکارڈ کرائے جس کی بنیاد پر عدالتوں نے ۱۹۹۱ء میں سود کو کالعدم قرار دیا۔

مولانا گوہر رحمان ایک محقق عالم دین تھے۔وہ علوم دینیہ کے جامع تھے۔وہ بیک وقت مفسر قرآن، شارح حدیث اور فقہی علوم میں گہری دسترس رکھتے تھے۔تفسیر، علوم القرآن، حدیث اور فقہ میں ان کی وقیع تصنیفات ان کی فقاہت اور علمی مہارت کے زندہ ثبوت ہیں۔اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسلام کے معاشی نظام پر بھی گراں قدر تحقیقی کتب لکھے ہیں جن میں اسلامی بینکاری نظام، اسلامی تکافل اور کرنسی نوٹوں کے مسائل شامل ہیں۔وہ ایک خوددار اور درویش صفت عالم باعمل تھے۔وہ ایک شجاع اور نڈر انسان تھے۔وہ تحزّب اور فرقہ پرستی سے بالاتر تھے اور امت مسلمہ کے اتحاد کے داعی تھے۔

کرنسی مسئلے کا پس منظر:

۱۹۹۱ء میں ترجمان القرآن لاہور کے مدیر نے کراچی کے مولانا محمد تاسین کی کرنسی نوٹوں کے قرض لین دین سے متعلق ایک تحریر مولانا گوہر رحمان کو ارسال کی اور اس پر ان کی رائے بھی طلب کی۔جس کے جواب میں مولانا نے ایک مفصل تحریر ارسال کی جو ''ترجمان القران لاہور'' کے جون ۱۹۹۹ء کے شمارے میں شائع بھی ہوئی۔جس پر کراچی کے خرم

---

* پی ایچ، ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ، پاکستان

** چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ وڈین فیکلٹی آف ایجوکیشن اینڈ ہیومینیٹیز، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ، پاکستان

سلیم چھتری والے نے کچھ سوالات اٹھائے اور مولانا موصوف سے ان کے جوابات دینے کی درخواست کی، اپنے سوالات میں انہوں نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے کا بھی حوالہ دیا۔ ان کی درخواست پر مولانا موصوف نے قرآن وسنت اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں ان کے سوالات واشکالات کا مفصل جواب دیا۔

اس پوری بحث کے ذریعے مولانا موصوف نے قرآن وسنت اور جدید وقدیم فقہاء کے اقوال کی روشنی میں ثابت کیا کہ قرض کی واپسی بالمثل ضروری ہے اور قرض کی واپسی کو سونے چاندی یا غیر ملکی کرنسی کے ساتھ جوڑنے سے سود لازم آتا ہے۔ اسی طرح موجودہ کرنسی نوٹ ہر لحاظ سے زر خلقی وثمن عرفی ہے اور سونے چاندی کے قائم مقام ہیں اور مال مثلی بھی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ مثلیت سے مراد مقدار اور وزن میں برابری ہے۔ قیمت اور مالیت میں برابری قابل اعتبار نہیں ہے۔ مولانا موصوف نے کرنسی نوٹوں کے قرض لین دین اور اس کے شرعی حیثیت کے تعین سے متعلق تمام پہلوؤں کو واضح کیا اور اس مسئلے پر مولانا طاسین، خرم سلیم چھتری والا اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے اعتراضات واشکالات کے جوابات دے کر مسئلے کی تحقیق وتنقیح کا حق ادا کر دیا۔(۱)

میں نے اس تحریر میں مولانا موصوف کے مقالے اور اس پر وارد ہونے والے اشکالات اور تائیدی آراء کا جائزہ لیا ہے تا کہ مسئلے کا ہمہ پہلو تصویر سامنے آسکے۔

مولانا محمد طاسین کی رائے پر تبصرہ:

مولانا طاسین نے کرنسی نوٹوں کے قرض لین دین کو ناجائز قرار دیا۔ ان کی رائے یہ ہے کہ قرض لیتے وقت نوٹوں کا جتنا سونا بنتا ہے ادائیگی کے وقت اتنا سونا واپس کیا جائے تا کہ افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قیمت میں کمی کی تلافی کی جاسکے۔ مولانا موصوف نے مولانا طاسین کی رائے سے اختلاف کیا اور دلائل سے ثابت کیا کہ ان کی رائے شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے۔(۲)

کاغذی کرنسی کا تاریخی پس منظر:

مولانا موصوف کاغذی کرنسی کی تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کاغذی نوٹوں کی ابتداء تو اصل میں ان رسیدوں سے ہوئی تھی جو صراف اور سنار ان لوگوں کے نام بطور وثیقہ جاری کرتے تھے۔ جو سونے چاندی کے سکے ان کے پاس بطور امانت رکھتے تھے۔ لیکن مختلف مراحل طے کر کے آج یہ کرنسی نوٹ زر قانونی یعنی ثمن عرفی اور مال متقوم کا مقام حاصل کر چکے ہیں۔ اب ان کا حکم وہی ہے جو فقہی اصطلاح میں ''فلوس نافقۃ'' کا ہے یعنی دھات کے ان سکوں کا جو معاشرے میں بطور ثمن مروج ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ ابتداء میں یہ نوٹ بھی صرافوں کی جاری کردہ رسیدوں کی طرح سند وثیقہ اور دستاویز کی حیثیت رکھتے تھے۔ جسے دکھا کر بینک سے سونا چاندی حاصل کی جاسکتی تھی۔ اس کے لین دین

پرحوالہ کے احکام جاری ہوتے تھےلیکن کافی مدت سے یہ نوٹ ارتقاء کر کے سونے کی جگہ لے چکے ہیں اور قانوناوعرفا بطورثمن رائج ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کوکیش رقم کہا جاتا ہے۔مگر چیک اور دوسری مالی دستاویزات کوکیش نہیں کہا جاتا۔اسی کرنسی کے ذریعے دنیا بھرمیں خرید وفروخت ہوتی ہے۔انہی سے مزدوروں کواجرتیں دی جاتی ہیں۔انہی نوٹوں سے لوگ بچتیں کرتے ہیں۔عملاً ان نقود ورقیہ کا سونے کے ساتھ کوئی قانونی تعلق اب باقی نہیں رہا۔بینک اب ان نوٹوں کے بدلے میں سونا چاندی دینے کے پابندنہیں ہیں۔(۳)

فقہاء کےنزدیک مال کی تعریف:

فقہانے مال کی قانونی وفقہی تعریف یوں بیان کی ہے،موصوف نے اسے نقل کیا ہےابن عابدین شامی اور ابن نجیم مصری مال کی تعریف میں لکھتے ہیں:

مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخارہٗ لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافة او بعضهم وفی الحاوی القدسی المال اسم لغیر الادمی خلق لمصالح الادمی وامکن احرازه والتصرف فيه علىٰ وجه الاختيار۔ (۴)

’’مال ہروہ چیز ہے جس کی طرف لوگوں کی طبیعت راغب ہواوراسے مستقبل کے لئے بچا کر ذخیرہ کیا جاسکتا ہو ۔کسی چیز کی مالیت اس سے ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگوں نے یا کچھ لوگوں نے اسے مال بنادیا ہو۔حاوی مقدسی میں ہے کہ مال ہراس چیز کا نام ہے جوانسانی ضرورت پوری کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہو۔اس کا ذخیرہ کرناممکن ہواورانسان اس میں اپنے اختیار سے تصرف کرسکتا ہو۔‘‘

ترکی کی عثمانی خلافت کی تیارکردہ کتاب ’’المجلہ‘‘ کی دفعہ ۱۲۶ میں بھی مال کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

’’جس چیز کولوگ اپنے کاروباراورلین دین میں استعمال کرتے ہوں وہ لوگوں میں طبعاًمرغوب ہواوراسے آئندہ کی ضرورت کے لئے ذخیرہ کیا جاسکتا ہووہ مال ہے۔‘‘(۵)

موصوف کے بقول جدید مالی قانون میں بھی مال ہراس چیز کوکہا جاتا ہےجس کی کوئی قیمت ہو۔(۶) موصوف آگے لکھتے ہیں۔

’’مذکورہ فقہی تعریف کی روشنی میں دیکھا جائے تو جس طرح اشیائے صرف اورسونا چاندی مال ہےاسی طرح دہاتی سکےاورکرنسی نوٹ بھی مال ہیں اس لئے کہ دونوں لوگوں کومرغوب ہیں دونوں کاروبار میں مروج ہیں اوردونوں کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ سونااور چاندی ثمن خلقی ہیں اورکرنسی نوٹ ثمن عرفی ہیں۔‘‘(۷)

وجوب زکوۃ میں ثمن عرفی اورثمن خلقی کاحکم:

ثمن عرفی وجوب زکوۃ اوردوسرے احکام میں ثمن خلقی کی طرح ہے۔اس بارے میں مسند احمد کے مرتب اور

شارح شیخ احمد البناءفرماتے ہیں۔

ان حکم الورق المالی کحکم النقدین فی الزکوٰۃ سواء بسواء لانہٗ یتعامل بہٖ کالنقدین تماماولان مالکہٗ یمکنہٗ صرفۃ وقضاء مصالحہٗ بہٖ فی ای وقت شاء۔ (۸)

''زکوٰۃ کے بارے میں کاغذی نوٹوں کا وہی حکم ہے جوسونے اور چاندی کا ہےاس لئے کہ اس کے ذریعے سونے چاندی کی طرح ہرقسم کالین دین ہوتااورکرنسی کا مالک جب چاہتا ہےاس سےاپنی ضرورت پوری کرسکتا ہے۔''

ڈاکٹر وھبتہ الزحیلی لکھتے ہیں۔

والحق وجوب **الزکوٰۃ** فیھا لانھا اصبحت ھی اثمان الاشیاء وامتنع التعامل بالذھب-----فینتفع بھا حاملھا فعلا کما ینتفع التعامل بالذھب الذی اعتبرثمنا لاشیاء (۹)

''حق یہی ہے کہ کاغذی نوٹوں پرزکوٰۃ واجب ہےاس لئے کہ اب یہ چیزوں کی قیمت کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اورسونے کے ذریعے خریدوفروخت اب بند ہوچکی ہے۔جس کے پاس یہ کرنسی نوٹ ہوں وہ ان کے ذریعے اسی طرح نفع اٹھاتا ہے۔جس طرح کہ سونے سے نفع اٹھاتا ہے۔جواشیاءصرف کی قیمتوں کا معیار ہے۔''

مولانا گوہررحمان مال کی تقسیم کے بارے میں مولانا محمد طاسین کی رائے اس طرح نقل کرتے ہیں:

''ایک ہے''حقیقی مال''اوردوسراہے''حکمی مال''حقیقی مال کی تعریف میں وہ چیزیں آتی ہیں جوانسان کی طبعی اورجبلی ضرورت پوری کرتی ہوں جیسے کھانے، پینے، پہننے، پوشنے اور رہنےسہنے سے متعلق چیزیں جو بازار میں خریدی اور فروخت کی جاتی ہیں اورحکمی مال سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی ذات کے اندر مذکورہ صلاحیتیں نہ پائی جاتی ہو۔مگر معاشرے نے ان کوحقیقی مال کے تبادلے کا ذریعہ بنایاہو۔جیسی کرنسی کے نوٹ جواپنے اندر مالیت نہیں رکھتے لیکن حکومت نے ان کو سونے وچاندی کی طرح قانوناوعرفاثمن قراردیاہے۔''(۱۰)

حقیقی مال،اشیائےصرف اوراثمان الاشیاء:

یہاں پرمولانا موصوف مولانا طاسین کے مال کی تعریف پرنقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر یہ شرط لگادی جائے کہ حقیقی مال کھانے پینے اور رہنےسہنے کی کوئی چیز ہوتو پھرسونا چاندی بھی حقیقی مال کی تعریف سے خارج ہوجائیں گے کیونکہ یہ کھانے پینے اوراستعمال کی چیزنہیں ہے بلکہ ان چیزوں کے حصول کا ذریعہ ہیں۔آج کل تو ان چیزوں کے حصول کا ذریعہ کرنسی کے نوٹ ہیں اورسونا چاندی کے سکے تو اب نایاب ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اشیاءاستعمال بھی حقیقی مال ہیں اوراثمان الاشیاء بھی حقیقی مال ہیں۔اگرحقیقی مال صرف اشیاءضرورت کے ساتھ مخصوص کردیا جائے تو پھراثمان الاشیاء پرحقیقی مال کی تعریف صادق نہیں آئے گی۔حالانکہ یہ تو بالاجماع اموال حقیقہ میں شامل ہیں۔''(۱۱)

کرنسی نوٹوں کا قرض لین دین:

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ کرنسی نوٹ زر قانونی اور ثمن عرفی ہیں اور ان پر مال کی تعریف ہر لحاظ سے صادق آتی ہے۔ لیکن یہاں پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کا قرض کا لین دین جائز ہے؟ یا ان کے قرض لین دین کے لئے سونے کو بنیاد بنانا ضروری ہے؟

اس سوال کے جواب میں مولانا گوہر رحمان مولانا محمد طاسین کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کرنسی نوٹوں کے قرض کا معاملہ جب کہ وہ طویل المیعاد ہو اور اس میں یہ طے ہو کہ قرض کے طور پر جتنے نوٹ لئے دیئے گئے ہیں بوقت ادائیگی اتنے ہی نوٹ لئے دیئے جائیں گے۔ شرعاً ناجائز معاملہ قرار پاتا ہے۔'' انہوں نے اس رائے کی جو دلیل بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرض دینے والا اپنے مال کی مثل کا حقدار ہوتا ہے اور کرنسی نوٹوں میں مثلیت کا مطلب ہے قوت خرید میں برابری جو کرنسی نوٹوں میں نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ آج کے نوٹ قوت خرید میں ان نوٹوں کے برابر نہیں ہوسکتے جو مثلاً پانچ سال پہلے قرض کے طور پر لئے دیئے تھے۔ لہذا اتنے ہی نوٹ واپس کرنا جتنے لئے تھے۔ قرض دینے والے کی حق تلفی ہے اور ظلم ہے اور جو معاملہ ظلم وحق تلفی کا موجب ہو وہ باطل اور ناجائز ہوتا ہے۔ جب یہ معاملہ باطل ہے تو کیا کرنسی نوٹوں کے قرض لینے دینے کی کوئی جائز شکل بھی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب مولانا طاسین نے یہ دیا ہے کہ نوٹ قرض دیتے وقت یہ معلوم کیا جائے کہ ان کے بدلے میں سونے کی کتنی مقدار ملتی ہے۔ پھر ادائیگی کے وقت نوٹوں کی مقدار سونے کی اس مقدار کی قیمت کے برابر ہونی چاہیئے، جو قرض لیتے وقت معلوم کر لی گئی تھی۔ مثلاً آج کسی کو ۵ ہزار روپیہ قرض دیا گیا۔ جس کے بدلے میں ایک تولہ سونا ملتا ہے۔ ایک سال بعد اگر ایک تولہ سونا ۶ ہزار روپیہ ہو تو ایک ہزار اضافہ دینا ہوگا اور یہ اضافہ ربا اس لئے نہیں ہے کہ ایک تولے کی قیمت کے برابر نوٹ لئے گئے تھے۔'' (۱۲)

کرنسی نوٹوں کو سونے سے منسلک کرنا سود:

مولانا گوہر رحمٰن نے کرنسی نوٹوں کو سونے سے منسلک کرنے کے مولانا محمد طاسین کی رائے پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اگر کرنسی نوٹوں کو سونے کے ساتھ منسلک کرنا تھا تو پھر سیدھے طریقے پر ایک تولہ سونا قرض دے کر ادائیگی کے وقت ایک تولہ سونا واپس لینے میں کیا رکاوٹ تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ کرنسی نوٹوں کی قرض لین دین کو سونے کی قیمت کا تابع بنانا سود کا دروازہ کھولنے اور اس کو شرعی جواز فراہم کرنے کی مترادف ہے۔ اسلئے کہ کرنسی نوٹوں کا کوئی قانونی تعلق اب سونے کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ یہ مستقل طور پر مال مثلی اور ثمن عرفی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں تو اس حیلے کے ذریعے ایک ہزار دے کر ۶ ہزار لینا یا ۱۰ ہزار دے کر ۱۲ ہزار لینا ایک من گندم دے کر ڈیڑھ من لینا سود ہے باقی رہی یہ بات کہ افراط زر کی وجہ سے نوٹوں کی قوت خرید میں کمی ہوتی ہے تو اس میں مقروض کا کوئی قصور تو نہیں ہے کہ اس پر کمی کی تلافی لازم کر دی

جائے۔اشیاءصرف کی قیمتوں میں اضافہ تو پیداوار کی کمی یا تاجروں کی پیدا کردہ مصنوعی قلت یا پھر حکومت کی بدانتظامی اور بدعنوانی کی وجہ سے ہوتی ہے۔بینکوں کے سود کو حلال ٹھہرانے والوں کی بڑی دلیل یہ انفلیشن اور افراط زر کا بہانہ ہے جسے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے میں ماہرین کی آراء کی روشنی میں رد کر دیا گیا۔'' (۱۳)

اموال مثلیہ میں قرض لین دین کا جواز:

مولانا موصوف اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

اموال مثلیہ میں قرض لین دین کے جواز کے مسئلے کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ معلوم کرلیا جائے کہ قرض کی فقہی تعریف کیا ہے اور قرض لین دین کس قسم کے اموال میں جائز ہے؟

قرض کی تعریف:

فقہ حنفی میں قرض کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ:

وھو عقد مخصوص یرد علیٰ دفع مال مثلی لآخر لیرد مثلہٗ وصح فی مثلی لاغیرہٗ--- کالمکیل والموزون والعددی المتقارب کالجوزوالبیض وحاصلہٗ ان المثلی مالا تتفاوت فی احادہ ای تفاتا تختلف بہٖ القیمة فان نحوالجوز تتفاوت احادة تفاتا یسراً (۱۴)

''قرض ایک مخصوص قسم کا معاہدہ ہوتا ہے جس میں ایک شخص دوسرے کو مال مثلی دیتا ہے اور قرض لینے والا ادائیگی کے وقت اس مال کی مثل واپس کرتا ہے۔یہ معاہدہ مال مثلی میں صحیح ہے اور غیر مثلی میں صحیح نہیں ہے۔مال مثلی وہ ہوتا ہے جسے ماپا اور تولا جا سکتا ہو یا جس کی مقدار گننے سے معلوم کی جاسکتی ہو اس کی اکائیاں مقدار میں ایک دوسرے سے زیادہ متفاوت نہ ہوں۔مثلاً اخروٹ اور انڈے وغیرہ۔خلاصہ یہ ہے کہ مال مثلی ہر اس مال کو کہا جاتا ہے جس کی اکائیوں میں ایسا فرق نہ ہو جس کی وجہ سے قیمتوں میں فرق آتا ہو۔اخروٹ جیسی چیزوں میں اگرچہ تھوڑا فرق ہوتا ہے لیکن اس کا قیمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔''

مولانا موصوف مذکورہ بالا فقہی جزئیہ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

''درج بالا عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر قسم کے اموال مثلیہ میں قرض دینا اور لینا جائز ہے خواہ وہ کھانے پینے اور استعمال کی چیزیں ہوں یا ان چیزوں کے خریدنے کا ذریعہ ہوں یعنی اثمان الاشیاء۔کرنسی نوٹ مال مثلی کی ایک قسم ہے۔اس کا لین دین گننے سے ہوتا ہے۔نوٹ سارے ایک جیسے ہوتے ہیں۔اس کی مالیت برابر ہوتی ہے۔

مال مثلی کی تعریف میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس کی مالیت اور قوت خرید میں کمی بیشی نہ ہوئی ہو اس لئے قوت خرید میں کمی بیشی تو سونے چاندی کے سکوں اور گندم و چاول میں بھی ہوتی ہے۔مگر ان کا قرض لین دین تو بالاجماع جائز ہے۔اس طرح اس میں یہ شرط بھی کسی نے نہیں لگائی ہے کہ وہ اشیاء استعمال ہوں یا اثمان خلقیہ ہوں صرف یہ شرط ہے کہ اس کا

مثل موجود ہواور نوٹوں کی مثل موجود ہے اور مروج ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سونے سے مربوط کئے بغیر ان کا قرض لین دین باطل قرار دیا جائے۔'' (۱۵)

قرض لینے دینے کیلئے مال مثلی کی شرط بھی صرف حنفیہ نے لگائی ورنہ باقی ائمہ کے نزدیک ہر اس چیز کا قرض لین دین جائز ہے جس کی خرید وفروخت کی جاتی ہو اور جس میں بیع سلم جائز ہو۔(۱۶)

قرضوں کی بالمثل واپسی:

قرضوں کی بالمثل واپسی کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں کہ:

جب یہ ثابت ہوگیا کہ نقود ورقیہ یعنی کاغذی نوٹ اموال مثلیہ میں شامل ہیں اور ان کا قرض دینا اور لینا جائز ہے تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ جس ملک کی کرنسی جتنی مقدار میں لی گئی تھی۔ اسی ملک کی اتنی ہی کرنسی واپس لوٹانی پڑے گی۔ اس لئے کہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ:

الاقراض تقضى با مثلها(۱۷)

''یعنی قرضوں کی واپس بالمثل ہوتی ہے۔''

اموال مثلیہ کے قرض میں مالیت اور قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ کمیت اور نوعیت میں مثلیت اور برابری ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص نے کسی کو ایک من گندم قرض دی، جس کی قیمت دوسو روپے تھی مگر ادائیگی کے وقت اس کی قیمت ڈیڑھ سو روپیہ ہوگئی تو قرض دینے والا یہ مطالبہ نہیں کرسکتا کہ مجھے دوسو روپے کی گندم دی جائے، یعنی من کے بدلے ڈیڑھ من دی جائے تمام ائمہ متفق ہیں کہ وہی ایک من گندم واپس کرنی ہوگی۔ اسی طرح کرنسی نوٹ بھی مال مثلی ہیں۔ ان میں مالیت اور قوت خرید کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔'' (۱۸)

مولانا موصوف فلوس کی تعریف، حیثیت اور فلوس کے قرض کے حکم کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فلوس کی تعریف:

فلوس جمع کثرت ہے فلس کی، فلوس کی تعریف یہ ہے کہ سونے چاندی کے علاوہ وہ تمام دھاتی سکے فلوس ہیں، جن کو لوگوں نے ثمن قرار دیا ہو۔(۱۹)

فلوس کی تاریخی پس منظر:

فلوس اصل میں نادار اور تنگ دست لوگوں کیلئے تانبے، لوہے اور دوسرے دھاتوں سے بنائے جاتے تھے تاکہ وہ اپنی ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں خرید سکیں۔ اس لئے کہ سونے چاندی کے سکے (دینار و درہم) زیادہ مقدار میں خریداری کرنے کے لئے یا قیمتی چیزیں خریدنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ جو تنگ دست لوگوں کے پاس نہیں ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے فقیر اور تنگ دست شخص کو مفلس کہتے ہیں یعنی فلوس والا شخص جس کے پاس درہم دینار یعنی سونے چاندی

کے سکے نہ ہو۔(۲۰)

فلوس کی حیثیت:

فلوس دھاتی سکے جب تک بازار میں چل رہے ہوں۔اس وقت تک اس کی حیثیت ثمن کی ہوتی ہے اور جب یہ کاسد ہو جائیں یعنی ان کا چلن ختم ہو جائے تو پھر ان کی حیثیت عروض یعنی سامان تجارت کی ہو جاتی ہے۔جیسے تانبے، لوہا اور سلور وغیرہ۔(۲۱)

فلوس کے قرض کے بارے میں فقہاء اسلام کی رائے:

یہاں پر مولانا موصوف نے زیر بحث مسئلے کے مرکزی نکتے یعنی فلوس کے قرض کے بارے میں قیمت خرید میں کمی وبیشی کے بارے میں فقہاء کی آراء اور امام ابو یوسف کی اختلافی رائے بیان کی ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

فلوس کے بارے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کی قیمت اور قوت خرید میں کمی بیشی ہو جائے مگر مارکیٹ میں بطور ثمن چل رہے ہوں تو کیا اس تغیر کا اثر قرض کی مقدار پر پڑتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی چاروں کی مستند کتابوں بدائع الصناع، المدونہ، شرح المہذب اور المغنی میں صراحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ دائیگی بالمثل ضروری ہے یعنی جتنے فلوس بطور ثمن یا بطور قرض واجب الادا تھے۔اتنے ہی واپس کرنے ہوں گے اور قوت خرید میں کمی بیشی کی وجہ سے واجب الادا فلوس کی مقدار میں کمی بیشی جائز نہیں ہے۔(۲۲)

ائمہ اربعہ کی دلیل یہ ہے کہ فلوس جب تک کاسد نہ ہوئے ہوں بلکہ بازار میں بطور ثمن مروج ہوں۔اس وقت تک یہ اموال مثلیہ میں شامل ہیں اور اموال مثلیہ میں قیمت اور مالیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ مقدار اور نوعیت کا اعتبار ہوتا ہے۔مثلاً کھجور مال مثلی ہے تو بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ ان میں مثلیت اور برابری مقدار میں ضروری ہے۔اگرچہ قیمت اور مالیت میں کمی بیشی موجود ہو۔مذکورہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی سعید رضی الله عنه قال کنا نرزق تمر الجمع وهو الخلط من التمر وکنا تبیع صاعین بصاع فقال النبیﷺ لاصاعین بصاعٍ ولا درهمین بدرهم۔(۲۳)

حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ ہم کو سب قسم کی ملی جلی کھجور ملا کرتی اور ہم اس کے دو صاع دے کر ایک صاع اچھی کھجور لیتے تھے تو رسول اللہﷺ نے گھٹیا درجے کے کھجور کے دو صاع کو اعلیٰ درجے کے کھجور کے ایک صاع کے بدلے اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلے بیچنے سے منع کر دیا (حالانکہ دونوں کی قیمت میں نمایاں فرق تھا)۔

اس حدیث کی تشریح میں موصوف مزید لکھتے ہیں کہ:

اس مضمون کے اور بھی احادیث مروی ہیں جن میں مثلیت مقدار میں معتبر ہے قیمت اور قوت خرید میں کمی بیشی کا اموال مثلیہ میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔(۲۴)

قاضی ابو یوسف کی منفرد رائے:

مولانا موصوف نے اس مسئلے میں امام ابو یوسف کی اختلافی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

امام ابو حنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف کے اس مسئلے میں آخری رائے یہ بنی تھی کہ اگر فلوس کی قیمت میں کمی بیشی ہوگئی ہو تو قرض کی ادائیگی فلوس کی اس قیمت کے مطابق کی جانی چاہیے جو قرض لینے کے وقت یا بیع کے وقت تھی۔ان کی دلیل یہ ہے کہ فلوس دراصل درہم کی ریز گاری ہے اوران کی بنیاد چاندی یا سونے کے سکے ہیں۔مثلاً اگر درہم میں دس فلوس ہوں تو ایک فلوس درہم کا دسواں حصہ بنتا ہے تو دس فلوس قرض لینا دراصل ایک درہم قرض لینے کے مترادف ہے۔جب قیمت میں دس فیصد کی کمی ہوگئی ہو تو اس صورت میں دس فلوس ہی واپس کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ درہم کا دسواں حصہ کم دیا گیا اور گیارہ فلوس دینے کی معنی یہ ہوں گے کہ پورا درہم جو لیا گیا تھا واپس کیا گیا ہے۔(۲۵)

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک:

اس بارے میں موصوف نے امام ابو حنیفہؒ کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

اگرچہ امام ابو حنیفہ کا اپنا مسلک ائمہ ثلاثہ کے مسلک کے مطابق ہے لیکن ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ فتویٰ ابو یوسف کے قول پر دیا گیا ہے۔البتہ مشائخ حنفیہ میں سے قاضی خان نے ابو حنفیہ کے قول کو ترجیح دی ہے کہ قیمت میں کمی بیشی کا اعتبار نہیں ہے بلکہ جتنے فلوس دیئے تھے اتنے ہی واپس کرنے ہوں گے۔(۲۶)

امام ابو یوسفؒ کی رائے کی تاویل:

مولانا موصوف نے امام ابو یوسفؒ کی رائے کی بہترین تاویل کی ہے۔موصوف نے امام یوسف کی رائے کی تاویل کر کے ثابت کیا ہے کہ کرنسی کے نوٹوں کے معاملے میں مسئلے کی نوعیت بدل گئی ہے۔اس لئے اس کا حکم بھی بدل گیا ہے۔اس بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ:

حقیقت یہ ہے کہ ابو یوسفؒ نے جس بنیاد پر ادائیگی بالقیمت کا فتویٰ دیا تھا وہ بنیاد یہ تھی کہ فلوس درہم و دینار کی ریز گاری تھی اور درہم مثلاً کبھی دس فلوس کا ہو جاتا تھا اور کبھی گیارہ فلوس تک بڑھ جاتا تھا۔لیکن یہ بنیاد اب ختم ہوگئی ہے کیونکہ کرنسی نوٹ اب نہ درہم و دینار کی ریز گاری ہے اور نہ یہ اب سونے اور چاندی کی دستاویز اور وثیقہ ہیں۔بلکہ مستقل طور پر ثمن عرفی اور مال مثلی ہیں اور جب تک یہ منسوخ نہ ہوئے ہوں اور ان کا چلن کلی طور پر ختم نہ ہوا ہو اس وقت تک ان کی ادائیگی بالمثل ضروری ہے کہ جتنے اور جیسے دیئے تھے اتنے ہی اس جنس سے واپس کرنے ہوں گے۔(۲۷)

مولانا موصوف نے مولانا محمد طاسین مرحوم کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ کرنسی نوٹ ارتقائی مراحل کے بعد آج کل زر قانونی یعنی ثمن عرفی اور مال متقوم کا مقام حاصل کر چکے ہیں اور سونے چاندی کی جگہ لے چکے ہیں اور قانوناً و عرفاً بطور ثمن رائج ہو چکے ہیں۔اسی کے ذریعے دنیا بھر میں خرید و فروخت ہوتی ہے۔اب ان نقود ورقیہ کا

سونے کے ساتھ عملاً کوئی قانونی تعلق باقی نہیں رہا۔موصوف نے قدیم وجدید فقہاء کے اقوال سے مال کی جو تعریف بیان کی ہے موجودہ کرنسی نوٹ اس تعریف پر پوری طرح صادق آتی ہیں۔

موصوف نے ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی کے حوالہ سے بھی ثابت کیا ہے کہ کاغذی نوٹوں پر زکوۃ واجب ہے،اس لئے کہ اب یہ چیزوں کی قیمت کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور سونے کے ذریعے خرید وفروخت اب بند ہو چکی ہے۔

اسی طرح موصوف نے کرنسی نوٹوں کی قرض لین دین کو مقدار کی بجائے قیمت اور سونے سے جوڑنے کے مولانا محمد طاسین کے رائے کو صریح سود قرار دیا اور کہا کہ یہ سود کا دروازہ کھولنے اور اسے شرعی جواز فراہم کرنے کے مترادف ہے۔ موصوف کی رائے میں قرض لین دین اموال مثلیہ میں جائز ہیں لہذا جتنے نوٹ لئے تھے اتنے ہی واپس کرنے ہوں گے اور کسی قسم کی کمی وبیشی سود ہوگی۔اس مسئلے میں خرم سلیم چھتری والا کے اعتراضات بھی قریب قریب وہی تھے جن کے جوابات مولانا محمد طاسین کی رائے پر تبصرہ میں آچکے ہیں۔لہذا اس کو یہاں پر دہرانے کی بظاہر ضرورت نہیں ہے۔

مولانا موصوف نے اپنی رائے کی تائید میں اور کرنسی کی شرعی حیثیت کے بارے میں سعودی عرب کے کبار العماء اور مجمع الفقہ اسلامی،فقہ اکیڈمی انڈیا،مولانا تقی عثمانی کی آراء نقل کی ہیں۔ذیل میں ہم ان کی آراء کا خلاصہ درج کر رہے ہیں۔

سعودی عرب کے کبار العلماء اور مجمع الفقہ الاسلامی کی رائے:

سعودی عرب کے کبار العلماء اور مجمع الفقہ اسلامی کی آراء کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) ایک ہی ملک کی کرنسی نوٹوں کی آپس میں کمی بیشی کے ساتھ ادھار یا نقد خرید وفروخت جائز نہ ہوگی۔مثلاً ۱۵ کاغذی ریال کے بدلے ۱۴ کاغذی ریال لینا جائز نہ ہوگا۔

(۲) مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کی آپس میں کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت جائز ہوگی۔مثلاً ایک امریکی ڈالر ۵ سعودی ریالوں یا اس سے کم وبیش کے عوض بیچنا جائز ہوگا بشرطیکہ دست بدست ہو۔

(۳) کرنسی نوٹوں پر زکوۃ بھی فرض ہوگی جب ان کی قیمت سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کے برابر ہو جائے یا سامان تجارت کے ساتھ مل کر یہ نصاب کو پہنچ جائیں۔

(۴) کرنسی نوٹوں کو بیع سلم اور دوسرے شراکتی معاملات میں رأس المال قرار دینا جائز ہوگا۔

(۵) ایک ملک کی کرنسی نوٹوں میں ربا الفضل اور ربا النسیہ کی دونوں قسمیں جاری ہوں گی جیسے سونے چاندی اور دیگر معدنی کرنسی میں جاری ہوتے ہیں۔(۲۸)

فقہ اکیڈمی انڈیا کی رائے:

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے دوسرے فقہی سیمینار ۸ تا ۱۱ دسمبر ۱۹۸۹ میں پہلا زیر غور مسئلہ کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں شرکاء سیمینار کا متفقہ فیصلہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۱) کرنسی نوٹ سند و حوالہ نہیں بلکہ ثمن ہے۔ عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر زرِ خلقی (سونا چاندی) کی جگہ لے لی ہے اور باہمی لین دین نوٹوں کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ اس لئے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے لہذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی و بیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار۔

(۲) دو ملکوں کی کرنسیاں دو اجناس ہیں اس لئے ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی بیشی کے ساتھ حسب رضائے فریقین جائز ہے۔

(۳) نوٹوں پر زکوٰۃ لازم ہوگی اور نوٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا۔(۲۹)

مولانا تقی عثمانی کی رائے:

مولانا تقی عثمانی شیخ الحدیث دار العلوم کراچی، نائب صدر اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ نے کاغذی کرنسی کی حیثیت یہ بتائی کہ ابتداء میں یہ سند اور حوالہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن اب یہ مستقل ثمن عرفی اور زر قانونی کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ انہوں نے احادیث نبویہ ﷺ اور فقہی نصوص کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ اقراض و دیون میں ادائیگی بالمثل ہوگی اور مثلیت میں برابری مراد نہیں ہے۔(۳۰)

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کا متفقہ فیصلہ:

مولانا تقی عثمانی نے اپنے مقالے میں اسلامی نظریاتی کونسل کا متفقہ فیصلہ بھی نقل کیا ہے کہ قرضوں کی قیمتوں کے اشاریہ (انڈیکس) کے ساتھ ربط کے نظریہ کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔(۳۱)

ادارہ اسلامی اقتصادیات اسلام آباد کے سیمینار کی قرارداد:

مولانا تقی عثمانی نے اپنے مقالے میں مذکورہ بالا سیمینار کے متفقہ قرارداد بھی نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

’’کرنسی نوٹ تمام معاملات میں نقدین یعنی درہم اور دینار کی طرح ہے۔ (مثلاً سود جاری ہونے، زکوۃ واجب ہونے، بیع سلم اور مضاربت و مشارکت میں راس المال بننے میں) سود اور قرض کی احادیث میں جو مثلیت اور برابری ضروری قرار دی گئی ہے۔ اس سے شرعی جنس اور قدر یعنی وزن ناپ اور عدد میں برابری مراد ہے، قیمت میں برابری مراد نہیں اور یہ بات ان احادیث کے ذریعے پوری طرح واضح ہوجاتی ہے۔ جو اموال ربویہ کے تبادلے میں عمدہ اور گھٹیا ہونے کے وصف کو غیر معتبر قرار دیتی ہیں اور اسی پر امت کا اجماع ہے اور اسی پر عمل جاری ہے۔ دیون چاہے وہ کسی بھی قسم کے ہوں، ان کو قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ منسلک کر دینا جائز نہیں کہ ان کو کسی سامان کے ساتھ منسلک کر کے یہ شرط ٹھہرائیں کہ مدیوں ادائیگی کے وقت اس سامان کی قیمت موجودہ کرنسی میں ادا کرے گا۔(۳۲)

مذکورہ بالا آراء نقل کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب اشیاء صرف کی قیمتوں کے حساب سے ادائیگی جائز نہیں ہے تو سونے کی قیمت کے حساب سے ادائیگی بھی جائز نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ کاغذی نوٹ ثمن عرفی اور زر قانونی ہونے کی وجہ سے سونے چاندی اور دیگر اموال ربویہ کی طرح ہیں اور اموال ربویہ میں عمدہ اور گھٹیا اور قیمتوں کی اتار چڑھاؤ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

درج بالا نتائج سے ثابت ہوتا ہے کہ قرض دیئے گئے یا کسی چیز کی قیمت کے طور پر عائد کئے گئے کرنسی نوٹوں کی مقدار میں سونے یا اشیاء صرف کی قیمتوں کے حساب سے اضافہ لینا دینا اسی طرح کا سود ہے جس طرح کہ سونے یا چاندی کی طے شدہ مقدار پر اضافہ لینا دینا سود اور ربا ہے اس لئے کہ دونوں اثمان ہیں ایک خلقی اور دوسرا عرفی۔(۳۳)

علامہ غلام رسول سعیدی کی اختلافی رائے اور مولانا گوہر رحمٰن کا جواب:

موصوف نے شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، دارالعلوم نعیمہ کراچی کے اختلافی رائے بھی نقل کی ہے:

''ان کی پہلی رائے یہ تھی کہ اگر قرض میں پہلے یہ طے کر لیا جائے کہ معیار سونا ہوگا تو واپسی کے وقت سونے کی قیمت کے حساب سے ادائیگی ہوگی۔''(۳۴)

علامہ سعیدی نے اپنی تفسیر تبیان القرآن (جو شرح مسلم سے بعد میں لکھی گئی ہے) میں اپنی پہلی رائے سے رجوع کیا اس لئے وہ لکھتے ہیں:

''کہ جو شخص کسی کو قرض دیتا ہے تو وہ اپنی رقم کو ڈالر میں منتقل کر کے قرض دے اور جتنے ڈالر دیئے ہوں اتنے ہی واپس لے لیں بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر اس نے ملکی کرنسی میں قرض دیا تھا تو پھر بھی ادائیگی کے وقت ڈالر کے حساب سے واپسی ہو سکتی ہے۔ مثلاً قرض دیتے وقت ایک ہزار جتنے ڈالر کے مساوی تھے دس سال بعد اگر اتنے ڈالر کے دس ہزار روپے بنتے ہیں تو وہ دس ہزار روپے لے سکتا ہے۔''(۳۵)

مولانا گوہر رحمٰن نے ان کی اس رائے کو سود قرار دیا:

اس بارے میں مولانا موصوف لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں بہرحال ایک ہزار دے کر دس ہزار لے رہا ہے اور معنوی طور پر خواہ ان کی قدر برابر ہو لیکن ظاہری اور صوری طور پر اس کے سود ہونے میں کوئی شک نہیں۔ افراط زر سے بچنے کے لئے ملکی کرنسی کو سونے چاندی سے بدل کر قرض دینا بھی جائز نہیں ہے۔ علامہ سعیدی نے اپنی پہلی رائے سے رجوع بھی اس لئے کیا کہ تفسیر لکھتے وقت ان کی توجہ اس طرف مبذول ہوگئی کہ دیون میں ادائیگی کے وقت قیمت معتبر نہیں ہوتی بلکہ

جنس اور مقدار میں برابری معتبر ہوتی ہے اس لئے جتنے روپے دیئے تھے اتنے ہی واپس لینے ہوں گے اور جتنے ڈالر دیئے تھے اتنے ڈالر ہی واپس لینے ہوں گے اسی طرح اگر سونا دیا تھا تو اتنا ہی سونا واپس لینا ہوگا۔"(۳۶)

علامہ سعیدی نے اپنی رائے اپنے مقالات میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

"اس کا حل یہ ہے کہ قرض دینے والا مقروض کو ایک ہزار روپے کرنسی کے بجائے ایک ہزار روپے کی کوئی جنس مثلاً سونا چاندی یا غلہ قرض دے اور دس سال بعد جتنا سونا چاندی یا غلہ قرض دیا تھا اتنا ہی واپس لے لے اس صورت میں قرض خواہ کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا اور وہ سود کی لعنت سے بھی محفوظ رہے گا۔"(۳۷)

خلاصہ کلام:

کرنسی کے مسئلے پر موصوف نے جو طویل بحث کی ہے اور قرآن وسنت جدید وقدیم فقہاء کے اقوال کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ قرض کی واپسی بالمثل ضروری ہے اور سونے، چاندی وغیر ملکی کرنسی کے ساتھ جوڑنے سے سود لازم آتا ہے لہذا اس سے بچنا چاہئے۔ اسی طرح موجودہ کرنسی نوٹ ہر لحاظ سے زر خلقی وثمن عرفی ہیں اور سونے چاندی کے قائم مقام ہیں اور مال مثلی ہیں۔ مثلیت سے مراد مقدار اور وزن میں برابری ہے قیمت اور مالیت میں برابری قابل اعتبار نہیں ہے۔ موصوف کی رائے شریعت کے احکام کے مطابق ہے اور شریعت کی روح سے بھی ہم آہنگ ہے۔

عالم اسلام کی اجتماعی فقہی اداروں کی رائے بھی یہی ہے لہذا موصوف کی رائے ہر لحاظ سے مناسب اور قرین الی الصواب ہے۔ موصوف نے کرنسی کے مسئلے پر وارد ہونے والے اعتراضات واشکالات کے بڑے معقول اور مدلل جوابات دیئے ہیں جن سے یقیناً معترضین مطمئن ہو چکے ہونگے۔ سونے یا ڈالر کو معیار بنا کر قرض دینے اور واپس لینے کا تکلف سود کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ اس بارے میں مولانا غلام رسول سعیدی کی رائے محل نظر ہے۔ کرنسی نوٹوں نے آج بلاشبہ ثمن خلقی، ثمن عرفی اور مال مثلی کی حیثیت اختیار کی ہے اور وہ سونے اور چاندی کے قائم مقام بن چکے ہیں۔ اس لئے سونے اور ڈالر میں قرض کا معاملہ طے کرنے اور قرض واپس کرنے کے شرائط فقہاء قدیم وجدید کے نزدیک سود کے مترادف ہیں۔ بلکہ بعض کے نزدیک صریح سود ہیں لہذا صحیح طریقہ یہی ہے کہ قرض لین دین کاغذی کرنسی ہی میں کیا جائے۔ اور شرعی لحاظ سے اس میں کوئی قباحت نہیں افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قدر میں کمی بیشی حکومتوں کے غلط معاشی پالیسیوں کی وجہ سے ہے، کیونکہ آج بھی بہتر معاشی پالیسیوں کی وجہ سے اکثر ممالک کی کرنسی کی قدر اپنے مقام پر برسوں برقرار رہتی ہے۔ لہذا اس کا حل یہ ہے کہ معاشی پالیسیوں کو متوازن بنایا جائے۔ دولت کو چند ہاتھوں میں مرتکز بنانے کی بجائے اس کی منصفانہ تقسیم کو ممکن بنایا جائے، تو پھر قیمتوں میں غیر معمولی اتار چڑھاؤ رک

جائے گا۔ یہ تو سرمایہ داروں کی راتوں رات امیر بننے کی ہوس ہی ہے جس کی وجہ سے وہ ذخیرہ اندوزی کر کے اشیاء کو مارکیٹ سے روک کر عارضی قلت پیدا کر کے قیمتوں کو چڑھا دیتے ہیں، ورنہ اگر معمول کی معاشی سرگرمیاں جاری ہوں اور حکومت قیمتوں پر کنٹرول برقرار رکھے تو نہ تو قیمتوں میں غیر معمولی فرق آئے گا اور نہ کرنسی نوٹوں کی قدر متاثر ہوگی اور نہ قرض لین دین میں قرض واپسی کے وقت کمی بیشی کا بڑا فرق سامنے آئے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ سود سے بچتے ہوئے کرنسی نوٹوں میں قرض کا لین دین کیا جائے البتہ مختلف ممالک کے کرنسی نوٹ مختلف اجناس ہیں جن کے خرید و فروخت میں فرق رکھنے کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔

اس بارے میں موصوف کی رائے بظاہر صائب اور درست ہے اور تحقیق پر مبنی ہے۔ اور قدیم و جدید فقہاء اور فقہی اداروں کی رائے سے موافق بھی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱ مولانا گوہر رحمان، حرمت سود پر عدالتی بیانات، مکتبہ تفہیم القرآن مردان، اگست ۲۰۰۰ء، ۳۳۲،۳۳۲، ۳۴۹،۳۵۱،۳۷۱

۲ ایضاً، ص ۳۷۲ تا ۳۸۳

۳ ایضاً، ص ۳۷۲،۳۷۳

۴ ابن نجیم، زین العابدین بن عابدین بن محمد الحنفی مصری، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، امیر حمزہ کتب خانہ کوئٹہ، (تاریخ اشاعت درج نہیں)، ج ۵، ص ۲۷۷، وابن عابدین محمد امین، ردالمحتار علیٰ درالمختار، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۱ھ، ج ۴، ص ۴۰۳

۵ المجلۃ الاحکام العدلیہ، نور محمد کتب خانہ کراچی، (تاریخ اشاعت درج نہیں)، دفعہ ۱۲۶

۶ بحوالہ سابق، مولانا گوہر رحمان، حرمت سود پر عدالتی بیانات، ص ۳۷۴

۷ ایضاً، ص ۳۷۴

۸ شیخ احمد البنا، بلوغ الامانی شرح فتح الربانی، بیت الافکار الدولی، اردن، طبع ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۱۲۹۲

۹ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، اکتوبر ۲۰۰۶ء، ج ۲، ص ۲۷۷

۱۰ بحوالہ سابق، مولانا گوہر رحمان، حرمت سود پر عدالتی بیانات، ۳۷۵،۳۷۶

۱۱ ایضاً، ص ۳۷۶،۳۷۷

۱۲ ایضاً، ص ۳۷۸

۱۳ ایضاً، ص ۳۷۸،۳۷۹

۱۴ الحصکفی، علاؤالدین محمد بن علی، الدرالمختار شرح تنویر الابصار، باب المرابحہ، فصل فی القراض، دارالفکر بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۸۶ھ/۱۹۹۶ء، ج ۴، ص ۲۳۷

۱۵ بحوالہ سابق، مولانا گوہر رحمان، حرمت سود پر عدالتی بیانات، ص ۳۸۰،۳۸۱

۱۶ ابن قدامہ، ابومحمد عبداللہ ابن احمد ابن محمد، المغنی، ادارۃ البحوث العلمیہ، ریاض، طبع ۱۴۰۱ھ /۱۹۸۱ء، ج ۴، ص ۳۳۷،۳۳۸

۱۷ بحوالہ سابق، حصکفی، علاؤالدین محمد بن علی، الدرالمختار شرح تنویر الابصار، ج ۴، ص ۲۳۷

۱۸ بحوالہ سابق، مولانا گوہر رحمان، حرمت سود پر عدالتی بیانات، ص ۳۸۱،۳۸۲

۱۹ ایضاً، ص ۳۸۶

۲۰ ایضاً، ص ۳۸۶،۳۸۷

۲۱ ایضاً، ص ۳۸۷

۲۲ ایضاً،ص ۳۸۷

۲۳ بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع الخلط من التمر، اذان سحر پبلی کیشنز منصورہ لاہور، نومبر ۲۰۰۴ء، ج ۱،ص ۷۹۶

۲۴ بحوالہ سابق، مولانا گوہر رحمان، حرمت سود پر عدالتی بیانات،ص ۳۸۸

۲۵ ایضاً،ص ۳۸۸

۲۶ ابن عابدین شامی، تنبیہ الرقود علیٰ احکام العقود، طبع کویت، (تاریخ اشاعت درج نہیں)،ص ۱۹تا۲۱
وبحوالہ سابق، مولانا گوہر رحمان، حرمت سود پر عدالتی بیانات،ص ۳۸۸

۲۷ بحوالہ سابق، مولانا گوہر رحمان، حرمت سود پر عدالتی بیانات،ص ۳۸۹

۲۸ فتاویٰ لجنۃ، دارالاصمہ، ریاض، طبعۃ الخامسۃ ۱۴۲۷ھ، ج ۱۳،ص ۴۴۳، ۴۴۴

۲۹ مجاہدالاسلام قاسمی، اہم فقہی فیصلے، ادارۃ القرآن کراچی، دسمبر ۱۹۹۷،ص ۱۴، ۱۵

۳۰ مولانا تقی عثمانی، فقہی مقالات، میمن اسلامک پبلشرز کراچی، (تاریخ اشاعت درج نہیں) ج ۱،ص ۱۳تا۸۷

۳۱ ایضاً، ج ۱،ص ۱۳تا۸۷

۳۲ ایضاً ج ۱،ص ۱۳تا۸۷

۳۳ بحوالہ سابق، مولانا گوہر رحمان، حرمت سود پر عدالتی بیانات،ص ۳۴۷ تا ۳۵۱

۳۴ علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور، ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ /جون ۱۹۹۰، ج ۴، ص ۳۴۸، ۳۵۰

۳۵ علامہ غلام رسول سعیدی، تفسیر تبیان القرآن، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور، شوال ۱۴۲۴ھ/دسمبر ۲۰۰۳، ج ۱،ص ۱۰۳۱

۳۶ بحوالہ سابق، مولانا گوہر رحمان، حرمت سود پر عدالتی بیانات،ص ۳۵۱، ۳۵۲

۳۷ علامہ غلام رسول سعیدی، مقالات سعیدی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ لاہور، مارچ ۲۰۱۴،ص ۴۳۷